© rasailojaraid.com

باسمہٖ تعالیٰ

اشارات

ہم اپنی روزمرہ زندگی میں ایسے بے شمار الفاظ استعمال کرنے کے عادی ہیں جن کے معانی و مطالب سے اگرچہ ہمیں کسی حد تک شناسائی ہوتی ہے مگر ان کے مضمرات (IMPLICATIONS) ہماری نگاہوں سے اکثر اوجھل رہتے ہیں اور اس بنا پر ہم انہیں بسا اوقات ایسے موقع و محل پر بول دیتے ہیں جن کے لئے وہ کسی طرح بھی موزوں نہیں ہوتے اور اس طرح یہ بہت سی غلط فہمیوں کا باعث بن جاتے ہیں۔ اقدار، ماحول، معاشرہ، انفرادیت، اجتماعیت —— یہ سب الفاظ اسی زمرے میں شامل ہیں۔ ان صفحات میں ہم صرف اول الذکر لفظ یعنی "قدر" یا "اقدار" سے بحث کریں گے۔

لفظ قدر یا (VALUE) بالعموم ایک ایسی نسبت کو ظاہر کرتا ہے جو منڈی میں مختلف اشیاء کے درمیان پائی جاتی ہے۔ مثلاً اگر دو کرسیوں کے عوض ہم ایک میز خرید سکیں تو ہم اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ دو کرسیوں کی قدر ایک میز کے برابر ہے یا ایک میز کی قدر دو کرسیوں کے مساوی یا دوسرے الفاظ میں میز قدر کے اعتبار سے کرسیوں کی بہ نسبت دوگنی اہمیت رکھتی ہے یا کرسی میز کی نسبت نصف قدر کی حامل ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک تناسب پایا جاتا ہے۔ اور اسی رشتہ نے انھیں باہم ایک دوسرے سے جوڑ رکھا ہے۔

اس مثال سے ایک اور حقیقت جو خود بخود منکشف ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ قدر کا تصور صرف ایک شے سے پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ یہ ایک نسبت کا ترجمان ہے اس لیئے ضروری ہے کہ ہم اس لفظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو استعمال کرتے وقت اُن اشیاء کا بھی ذکر کریں جن کے درمیان اس نے نسبت کے مختلف حلقے قائم کر رکھے ہیں جس طرح ایک فرد خواہ وہ معاشرے میں کتنا ہی بلند مقام رکھتا ہو، ایک خاندان نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح صرف ایک شے خواہ وہ ہماری زندگی کے لیے کتنی ہی ضروری اور لابدی ہو، بغیر کسی دوسری شے کی نسبت کے کسی قدر کو پیدا نہیں کر سکتی۔ قدر درحقیقت وہ احساسِ تناسب ہے جو مختلف اشیاء کے درمیان پایا جاتا ہے۔

اب اسی مسئلہ کو ایک دوسرے زاویہ سے دیکھیے۔ فرض کیجیے کہ آج سے دس سال پیشتر ایک کرسی کی قیمت دس روپے تھی اور میز کی بیس روپے یعنی دو کرسیوں کی قیمت ایک میز کے برابر تھی۔ اب پچھلے چند سالوں سے قیمتوں میں متعدد بار اضافہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں کی قیمتیں دوگنی ہو گئی ہیں۔ یعنی اب کرسی بیس روپے میں اور میز چالیس روپے میں خریدی جاتی ہے۔ اس مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے دیکھیے کہ اگرچہ ان اشیاء کی قیمتیں دوچند ہو گئی ہیں مگر ان کے درمیان نسبت وہی ہے۔ یعنی اب بھی ایک میز کی قیمت دو کرسیوں کی قیمت کے برابر ہے۔ یا بالفاظ دیگر میز اب بھی ایک کرسی کی بہ نسبت دوگنی اہمیت کی حامل ہے۔ قیمتوں کی دنیا میں یقیناً ایک عظیم تغیر واقع ہوا ہے۔ مگر یہ تبدیلی قدر پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہوئی۔ ان اشیاء کے درمیان نسبت کا عہد و پیمان آج بھی وہی ہے جو آج سے دس سال پیشتر تھا۔ خارجی حالات کے بدل جانے سے اس کے اندر کوئی معمولی سا فرق بھی نہیں آیا۔

اس معاملہ کا ایک اور قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ نسبتیں اپنے مزاج کے لحاظ سے بڑی نازک اور حساس واقع ہوئی ہیں۔ ان میں سے اگر ایک کو اپنی جگہ سے ذرا بھی سرکایا جائے تو باقی خود بخود تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اس بنا پر یہ اگر بدلتی ہیں تو پوری کی پوری بدلتی ہیں۔ مصالحت انہیں کسی صورت بھی گوارا نہیں ہوتی۔ اگر کل یا دوسرے برس یا کسی دوسرے ملک میں اشیاء کے مابین جو نسبتیں اس وقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجودہ میں ان میں سے دو یا تین کو لیکر اگر ہم اپنے ملک کی منڈی میں رائج کرنا چاہیں تو اس سے ہمارے ملک کا پورا نظامِ معیشت تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نسبتیں اپنی کوئی الگ اور انفرادی حیثیت نہیں رکھتیں، بلکہ یہ پورے نظامِ اقدار کا ضروری جزو ہوتی ہیں۔ اور صرف اسی میں صحیح طور پر کھپ سکتی ہیں۔

معیشت کے میدان اور اس کی مادی اشیا کی طرح ہماری فکری و اخلاقی اور تمدنی زندگی کے میدان میں بھی افکار و اعمال کے درمیان نسبتوں کے مضبوط ترین روابط قائم ہیں اور یہی چیز ان کے اندر قدر ایسے جوہرِ آبدار کو جنم دیتی ہے۔ قدر درحقیقت انہیں رشتوں کا قدرتی نتیجہ ہے اور اسی سے ہمارا نظامِ اخلاق و تہذیب معرضِ وجود میں آتا ہے آپ کو اگر ایک قوم کے اخلاقی احساس کا اندازہ کرنا مقصود ہو تو آپ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ کن چیزوں کو اہمیت دیتی ہے۔ کن کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتی اور کن سے کنارہ کش رہتی ہے۔ اسی بات کو ہم دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں، کہ اس نے اپنے افکار و اعمال کے درمیان کس قسم کی نسبتیں قائم کر رکھی ہیں۔ کسی قوم کا معیارِ خوب و ناخوب یا خیر و شر اس "احساسِ تناسب" کی غمازی کرتا ہے جو اس کے افراد کے اندر ایک نظریہ حیات کو اپنانے کے بعد خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم جب کبھی کسی نظامِ حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنے ماننے والوں کو اقدار کے کون سے ڈھانچے عطا کئے ہیں یہ ڈھانچے جس قدر مضبوط ہوں گے اسی نسبت سے اس قوم کا نظامِ اخلاق بھی ٹھوس اور پائیدار ہو گا۔

اسلام چونکہ ایک ایسا نظامِ حیات ہے جو زندگی کے سارے پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس لئے اس نے ہمیں ایسی ٹھوس پائیدار اور ہمہ گیر اقدار کا ڈھانچہ عطا کیا ہے، جو انسان کے سارے افکار و اعمال کے درمیان نہایت واضح اور غیر متبدل نسبتیں قائم کرتا ہے اور انہیں کی وجہ سے ایک مسلمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حبیب تک کہ وہ مسلمان ہے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک متعین اسلوب حیات اپنانے پر مجبور ہے ۔

اسلامی اقدار کا جب ہم کسی دوسرے نظام حیات کی پیش کردہ اقدار کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو ہم انہیں اُن کی نسبت بدرجہا بہتر اور ارفع پاتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنی تعلیمات کی رفیع الشان عمارت اس بنیادی حقیقت کو بحیثیت اساس کے قائم کرتے ہوئے اٹھائی ہے کہ انسانی زندگی خواہ کس قدر پیچیدہ اور اُلجھی ہوئی ہو، مگر وہ ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے اور اس لحاظ سے اُسے الگ الگ شعبوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا ۔ زندگی کے سارے شعبے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں اور ان کے درمیان کسی قسم کی حدِ فاصل کھینچنا سعی لاحاصل ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی اقدار زندگی کے سارے شعبوں کے افکار و اعمال کے مابین نسبتوں کے مخصوص روابط قائم کرتی ہیں ۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو ان کے اثر سے آزاد رہ سکے ۔

مسیحیت نے بلاشبہ انسانیت کو چند نہایت قیمتی رُوحانی اقدار عطا کیں ، اور ان کی وجہ سے اُن کے ہاں خالق و مخلوق اور طالب و مطلوب کے درمیان اچھے خاصے پاکیزہ رشتے قائم ہو گئے ۔ لیکن وہ چونکہ انسان اور انسان کے تعلقات اور انسان اور کائنات کے تعلق کے بارے میں بالکل خاموش تھیں ، اس لئے ان نسبتوں کو مسیحیت کے علمبرداروں نے اپنی خواہش نفس سے استوار کیا ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے اعمال و افکار کے مابین ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکی اور وہ عملی زندگی میں رُوحانی اقدار کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گئے اور جب دُنیا اور اس کے فوائد و لذائذ حیاتِ انسانی کا منتہائے مقصود بنے تو مذہبی اقدار تقدس اور احترام کے خلعتوں میں محصور ہونے کے باوجود بھی مغلوب ہو کر رہ گئیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح وہ نظریات جنہوں نے انسان اور انسان کے درمیان اور انسان اور کائنات کے درمیان صرف مادی رشتہ قائم کیا ہے، اُن کے ہاں زندگی کی جو اقدار معرضِ وجود میں آئیں۔ اُن میں روحانیت کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی اس لئے وہ بھی انسانیت کو مطمئن نہ کر سکیں۔ انسان کا دل بے قرار محسوسات کی رنگینیوں سے متاثر تو ضرور ہوتا ہے۔ مگر وہ خود کو ان میں گنوا دینے پر کسی صورت بھی اپنے آپ کو تیار نہیں پاتا۔ اس کی ہمیشہ سے یہ آرزو رہی ہے کہ وہ کائنات کو سمجھنے کے ساتھ نظامِ تکوینی کے پرے اُس حقیقت کبریٰ کا کھوج بھی لگائے۔ جس کا ادراک اُسے کبھی بھی چین نہیں لینے دیتا اور جس کو سمجھے بغیر اس کا اپنا وجود ہستی کی وسعتوں میں بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ انسان کا سوچنے اور سمجھنے والا دماغ کیا کبھی یہ باور کر سکتا ہے کہ فطرت کی یہ ساری انجمن آرائی محض بخت و اتفاق کی کرشمہ سازی ہے؟ اس قسم کے تصورات ایک باشعور انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچنے میں اس کی دستگیری نہیں کرتے۔ بلکہ اُسے مزید گمراہی کی طرف دھکیلتے ہیں۔ اگر کائنات محض ایک کھیل تماشہ نہیں تو اس کا ایک ماخذ ضرور ہے اور وہ ماخذ سوائے خالق کے اور کون ہو سکتا ہے اور یہی ذات اقدار کا حقیقی سرچشمہ ہے، جس کو تسلیم کئے بغیر ایک تو ہماری زندگی میں سخت انتشار رونما ہوتا ہے اور دوسرے فطرت خود ایک لاینحل معمہ بن جاتی ہے۔ نظامِ کائنات پر نظر ڈالنے اور اپنے باطن پر غور کرنے سے ہم اس حقیقت کو ماننے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ کوئی ایسی شے ضرور ہے جو مادہ سے بالا ہے، جسے ہم رُوح کہتے ہیں۔ اور کوئی ایسی قوت ابھی اور ہے جو اس سے بھی ماورا اور افضل ہے اور ساری کائنات پر حاوی اور ساری ہے یہی وہ ذات خالقِ کائنات ہے اور اسلام اسے ہی ساری اقدار کا مبدا و منبع قرار دیتا ہے۔ جو لوگ انسان کی اس فطری ضرورت کو نظر انداز کرتے ہیں وہ کبھی بھی انسانی داعیات کے ساتھ انصاف نہیں برت سکتے۔

اسلام نے رُوحانیت اور مادیت کی دوئی کو ختم کر کے زندگی کی فطری وحدت کو قائم اور برقرار رکھا ہے۔ وہ زندگی کے کسی مخصوص پہلو پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کرتا۔ بلکہ وہ حیات انسانی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر شعبہ اور عمل کے ہر گوشہ کے لیے متعین اقدار پیش کرتا ہے۔ وہ جتنا خدا اور انسان کے تعلق سے بحث کرتا ہے، اتنا ہی انسان اور انسان کے تعلق اور انسان اور کائنات کے تعلق سے بحث کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا ایک مخصوص نظامِ تمدن، ایک الگ نظامِ معاشرت و معیشت اور جداگانہ نظریہ سیاست و حکومت ہے۔ یہاں ایک ہی طریق فکر اور ایک ہی نظریہ حیات ہے جو زندگی کے سارے گوشوں پر حاوی ہے اس لحاظ سے اس نے زندگی — خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی — کے مختلف شعبوں کے مابین جو نسبتیں قائم کی ہیں وہ بھی دوسروں سے الگ اور جداگانہ ہیں۔

ان بنیادی حقائق کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آپ "میر" کی اس سادہ لوحی پر غور کریں جو مغرب کی اندھی تقلید میں ملتِ اسلامیہ کو یورپ سے "اچھی اقدار" قبول کرنے کا مشفقانہ مشورہ دے رہا ہے۔ وہ اس معمولی سی بات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ کہ اسلام کا مزاج سراسر توحیدی ہے۔ وہ زندگی کے مختلف افکار و اعمال کے درمیان اپنی مخصوص اور جداگانہ نسبتیں رکھتا ہے۔ اور اس بنا پر باہر سے کوئی نسبت بھی قبول کرنا گوارا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہے کہ اس کے بقا کا انحصار ہی اس بات پر ہے کہ اس کی اپنی الگ اقدار ہوں۔ یہی چیز اُسے دوسرے سے ممیز اور مشخص کرتی ہے۔ آپ اگر ایک نسبت کو اپنی جگہ سے تبدیل کریں گے تو اس سے نسبتوں کا سارا ڈھانچہ متزلزل ہو جائے گا اور آپ کی کوشش بالآخر پورے نظامِ حیات کو تہ و بالا کر دیگی۔ وہ لوگ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں جو اسلام کی ترقی کا راز اسلامی اور غیر اسلامی اقدار کے ملغوبے تیار کرنے میں دیکھتے ہیں۔ اُن کی نیتیں خواہ کتنی ہی اچھی اور خلوص پر مبنی ہوں مگر وہ خود اپنے ہاتھ سے اسلامی اقدار کو دفن کر رہے ہیں۔ تاریخ انسانی اس قسم کی کوششوں کا حشر پہلے بارہا دیکھ چکی ہے۔ اکبر کے وضع کردہ "دین شاہ پرستی" اور ترکوں کی تقلید مغرب کے نتائج آج ہمارے سامنے ہیں۔ قدرت نے جو کچھ سلوک ان کے ساتھ کیا ہے۔ وہ کسی دیدہ ور سے پوشیدہ نہیں۔ کیا ہمارے اہل ملک کے لئے ان میں کوئی عبرت نہیں؟ کیا ہم بھی اسی قسم کے "ناکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجربات پر اپنی قوتیں اور صلاحیتیں ضائع کرنے کا عزم کر چکے ہیں ؛ اس قسم کے لوگوں کی قوتِ فکر اس جاہل سے کسی طرح بھی زیادہ نہیں جو ریل کی چند پٹڑیوں کو کچھ فاصلہ کے لیے ساتھ ساتھ چلتا دیکھ کر یہ فیصلہ کر بیٹھتا ہے کہ وہ سب ایک ہی منزل کی طرف جا رہی ہیں ۔ ممکن ہے مغرب و مشرق میں چند چیزیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں، لیکن ان کے درمیان جو نسبت موجود ہے وہ بالکل ایک نہیں ہو سکتی اور یہ نسبت ہی درحقیقت ہر نظام کی جان ہوتی ہے اور یہی اس کے اندر تخلیقی ذوق پیدا کرتی ہے۔

آپ اس حقیقت کو ایک مثال سے یوں سمجھئے ۔ ہم جب ایک مسلم اور غیر مسلم قوم کی سعی و جہد پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ان کے اعمال میں بیشتر چیزیں بظاہر مشترک پاتے ہیں۔ مسلم قوم کے افراد ایک غیر مسلم قوم کے افراد کی طرح ہی اپنی حفاظت و پاسبانی کا انتظام کرتے ہیں۔ پھر دونوں ہی کماتے اور دونوں ہی خرچ کرتے ہیں۔ دونوں ہی اس بات کا التزام کرتے ہیں کہ فطرت کے چھپے ہوئے خزانوں کا کھوج لگا کر اُن سے کام لیں۔ ایک سطح بین آنکھ ان دونوں کی سعی و جہد میں کوئی فرق نہیں دیکھتی ۔ لیکن درحقیقت ان میں بنیادی اختلاف ہے ان دونوں کے زاویہ ہائے نگاہ الگ الگ ہونے کی وجہ سے ان کی اقدار جداگانہ ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے یہ سارے کام مقصود بالذات نہیں ۔ بلکہ اس کے اصل مقصد — یعنی رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہیں ۔ اور یہی وہ بنیادی قدر ہے جو دوسری اقدار کو متعین کرتی ہے ۔ اس کے برعکس ایک غیر مسلم کے لیے یہ سب چیزیں بذاتِ خود منتہائے مقصود ہیں ۔ اور انہیں کے تحت ان کی زندگی کی باقی اقدار طے ہوتی ہیں ۔

طرزِ فکر کے اس اساسی اختلاف کی وجہ سے ان دونوں کے طرزِ عمل میں بھی فرق ہوگا ۔ ایک مسلم اس دنیا اور اس کے عطیات سے فائدہ تو بلا شبہ اٹھائے گا ۔ مگر وہ اسے ایک تفریح گاہ سمجھنے کی بجائے اُسے ہمیشہ امتحان گاہ اور آزمائش گاہ خیال کرے گا ۔ اس کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افکار و اعمال کے وزن کرنے اور ان کی تقویم کے لئے بالکل الگ میزان ہوگی اور وہ ان کا دینی نفع اور اُخروی اجر ہے۔

اس کے برخلاف ایک غیر مسلم کا مقصدِ اعلیٰ اور کمالِ مطلوب اس دنیا کے سارے فوائد و لذائذ کو سمیٹنا ہے، خواہ وہ انہیں کسی طریق سے حاصل کرے۔ ایرانی شاعر نے جس مقصد کو "بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کہا ہے۔ وہی درحقیقت اس کی زندگی کا حقیقی نصب العین ہوگا۔

اقدار کی اس مختصر سی بحث میں ایک اور ضروری چیز اقدار کا احیاء ہے۔ آپ نے بعض لوگوں کو اکثر کہتے سنا ہوگا کہ اس سائنس کی ترقی نے اقدار کے سارے نظام کو زیر و زبر کر دیا ہے۔ اب پرانی اقدار بالکل بیکار اور بوسیدہ ہو چکی ہیں۔ دورِ جدید کی شاید ہی کوئی فکری لغزش اس قدر گمراہ کن ہو جتنی کہ یہ۔ ان حضرات نے اپنے اس نظریہ کی عمارت بالکل غلط مفروضہ پر اٹھائی ہے۔ انہوں نے بدقسمتی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ سیاسی، معاشرتی اور بین الاقوامی قوانین کی ظاہری اور خارجی نمود ہی اصل اقدار ہیں۔ حالانکہ یہ اقدار کا بڑا ہی سطحی تصور ہے۔ جس طرح پچھلے صفحات میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ قیمتوں کے بدل جانے سے اشیاء کی قدر میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بالکل اسی طرح کسی قوم یا ملک کے خارجی حالات میں تغیر آجانے سے اس کی اقدار نہیں بدلتیں۔ نظامِ حیات کی اقدار چند خارجی اور محسوس شعائر کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک خاص ذہنی میلان، اندازِ فکر یا احساس تناسب ہے جو ہر زمانے میں انسان کے افکار و اعمال اور اس کی ایجادات و اکتشافات کے درمیان مخصوص نسبتیں متعین کرتا ہے۔ اس بنا پر سائنس کی ترقیاں یا زمانوں کا تغیر و تبدل اس پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ یہ خود ایک منصف مزاج بادشاہ کی طرح ہمیشہ اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ وہ ہر نئی تحقیق اور ایجاد کو کس حیثیت اور مرتبہ کے مطابق اپنے دربار میں شرفِ باریابی دے۔ اس اعتبار سے اس کا مقام ایک بے لاگ قاضی یا میزانِ عدل کا سا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ اس معاملہ پر یوں غور کریں - ایک مسلم کا نصب العین آج بھی وہی ہے جو آج سے ایک ہزار سال پیشتر تھا۔ وہ اس وقت بھی رضائے الٰہی کے حصول کے لئے جیتا تھا اور آج بھی اس کی زندگی کا منتہائے مقصود صرف یہی ہو سکتا ہے چونکہ اس منزل تک پہنچنے کا راستہ اس مادی دنیا سے ہی ہو کر جاتا ہے ۔ اس لئے وہ اس بات پر مجبور ہے کہ مادی اسباب و وسائل کو کام میں لائے اس بنا پر ہمارے پیشرو بزرگوں نے اپنے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق بہتر سے بہتر وسائل مہیا کرنے کی کوشش کی - انھوں نے سواری کے لئے گھوڑے اور اونٹ استعمال کئے، جنگ کے لئے تیر و تفنگ بنائے، اپنی حفاظت کے لئے خندقیں کھودیں ۔ الغرض جو کچھ کہ وہ مقصد کے حصول کی خاطر کر سکتے تھے انھوں نے کیا۔ مگر سب کچھ اسی نصب العین تک پہنچنے کے لئے تھا - اس سے کوئی دنیاوی غرض وابستہ نہ تھی۔ ہم اسے اخلاقیات (ETHICS) کی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان کا مقصد (END) رضائے الٰہی کا حصول تھا، اور باقی سب چیزوں کی حیثیت ذرائع (MEANS) کی سی تھی ۔ یعنی ان دونوں کے درمیان ایک خاص نسبت تھی جس میں کسی قسم کی تبدیلی انہیں گوارہ نہ تھی ۔

رفتارِ زمانہ نے اب انسان کو سواری کے لئے گھوڑے اور اونٹوں کی بجائے ریل گاڑیاں موٹریں اور ہوائی جہاز مہیا کیے ہیں ۔ جنگ کے پرانے آلات یعنی تیر و کمان کی جگہ اب توپیں بندوقیں اور بم استعمال کئے جاتے ہیں - اس تبدیلی سے اگر کوئی شخص یہ گمان کر بیٹھتا ہے کہ زندگی کی اقدار بدل گئی ہیں ۔ تو وہ بہت بڑی ناسمجھی کا ثبوت دیتا ہے ان سب کی حیثیت ایک مسلمان کے لئے آج بھی محض ذرائع کی سی ہے ۔ جس طرح کہ ہزار سال پہلے تھی - انقلاباتِ زمانہ نے انہیں اب مقاصدِ زندگی نہیں بنا دیا ۔ آج بھی ایک مسلم کے سامنے جب ان کے تصرف کا سوال پیدا ہوگا تو بلا تامل یہی کہے گا کہ اس کا اصل مقصد اپنے مالک کی رضاجوئی ہے - ان ذرائع و وسائل کو وہ اس لئے استعمال کرتا ہے کہ یہ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں اور اس معاملہ میں بھی ہدایت ہادئ برحق نے دی ہے۔ اس لئے رضائے الٰہی اور ان کے درمیان تقدیم یا فضیلت کا رشتہ آج بھی وہی ہے۔ جو آج سے ایک ہزار سال پیشتر تھا۔ ایک مسلمان مسلمان رہتے ہوئے اس رشتہ میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ان کو مقاصد زندگی قرار دیکر اپنے حقیقی مقصد کو ان پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو وہ درحقیقت ایک بڑے جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔

اسلام کا انسانیت پر دوسرے احسانات کے ساتھ یہ بھی ایک بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اسے کتاب الٰہی اور سنت رسول کی شکل میں ایسی معروضی اقدار OBJECTIVE VALUES) عطا کی ہیں جن میں ازل سے ابد تک کوئی تغیر رونما نہیں ہو سکتا، جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں اور جن کی مدد سے ہم ہر زمانہ کے حالات و واقعات میں نسبتیں قائم کر سکتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو ہماری حیثیت بھی غیر مسلم اقوام کی طرح خارجی حالات کے ہاتھوں میں ایک بے بس کھلونے کی سی ہوتی۔ ہم امتِ وسط نہ ہوتے، ہم شاہد علی الناس نہ ہوتے، ہم قائم بالقسط نہ ہوتے، بلکہ وہ خس و خاشاک ہوتے جس کو زمانے کے تند و تیز دھارے جس طرف چاہتے بہا کر لے جاتے، یا ہماری حیثیت بالکل مرغ بادنما کی سی ہوتی جس کو زمانہ کی ہوا جس طرح چاہتی گھما دیتی۔

اسلام یورپ کے مادی فلسفوں کے برعکس اس عالم کی ماہیت زمان و مکان کو قرار نہیں دیتا۔ وہ زمان و مکان کی پابندیوں سے یکسر آزاد ہو کر کسی ایک گروہ یا عہد کا نہیں بلکہ پوری انسانیت کا اول تا آخر مطالعہ کرتا ہے اور پھر ہمیں بتاتا ہے کہ ہم کس طرح اپنے ذہنی تجریدات کو جو ہم نے تعلیمات الٰہی سے اخذ کئے ہیں عالم خارجی پر عاید کریں۔ اس لحاظ سے انقلابات زمانہ خواہ وہ طبیعات کی دنیا میں ہوں یا افکار کی دنیا میں ہمارے نظام اقدار کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمارا نظام اقدار ان کی آج بھی بالکل اسی طرح قدر و قیمت متعین کرتا ہے جس طرح کہ ہزاروں سالی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا کرتا تھا۔ قرآن پاک نے انسانی اعمال و افکار کے مابین ایسی غیر متبدل اور پائیدار نسبتیں قائم کی ہیں جن سے ازل و ابد کی طنابیں کھچ گئی ہیں اور فرد اور دی کا تفرقہ بالکل مٹ گیا ہے۔ اقبالؒ نے غالباً اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا تھا۔

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری، قصۂ قدیم و جدید

© rasailojaraid.com